قرآن کی عظمت اور ضرورت

مولانا ارشد جمال اشرفی

الاسلام مشن بنارس

قرآن کی عظمت اور ضرورت

مولانا ارشد جمال اشرفی

الاسلام مشن بنارس

Quran Ki Azmat Aur Zaroorat

by

Maulana Arshad jamal Ashrafi
D.43/107,Bazar Sadanand.
Varanasi.U.P.India.221001
e-mail:aimvns@gmail.com

First Published: June- 2013

This book dose not carry a copy right.

Al-Islam Mission
Varanasi.U.P.India.

اِس کتاب میں

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1.	قرآن کس لئے؟	5
2.	انوکھا کلام	6
3.	دشمن نے بھی مان لیا	7
4.	دل پگھل گیا	9
5.	کوئی قرآن نہ سنے	10
6.	کان میں آواز پڑ ہی گئی	12
7.	قرآن میں غور کرو	16
8.	اختلافِ کثیر کا دوسرا پہلو	17
9.	زمین گول ہے	18
10.	فرعون کی لاش	21
11.	کتابِ نصیحت	24
12.	نصیحت کا انداز	25
13.	قرآن کی توہین	26
14.	بھولی بسری کتاب	30
15.	ڈرانے والی کتاب	32
16.	جب سورج کی روشنی لپیٹ دی جائے گی	33
17.	جب آسمان پھٹ جائے گا	34
18.	جب آسمان چِر جائے گا	34

ری ایکشن

میری یہ کتاب پہلی بار جون/ 2013 میں شائع ہوئی تو اُس کے مضامین عوام و خواص میں بہت مقبول ہوئے اور سب نے اُسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور دلچسپی سے پڑھا۔ایک خاتون نے اُس کی کئی کاپیاں حاصل کرکے اُسے لوگوں میں مفت تقسیم کیا۔

اس کتاب میں ایک آرٹیکل تھا جس کا عنوان تھا: ’’قرآن کی توہین‘‘۔ اُس کے ایک اقتباس کو لے کر کچھ مخالفین اور حاسدین نے فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اُنھوں نے دارالافتا کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا۔قریب تھا کہ میرے خلاف کوئی فتویٰ جاری ہوتا، میں نے اپنی ایک وضاحتی تحریر کے ذریعے اُس اقتباس کو درست قرار دینے کے لئے دارالافتا کے صدر مفتی اور علماء واساتذہ سے ملاقات کی۔چند تلخیوں اور ناخوشگواریوں کے بعد یہ ہوا کہ دارالافتا سے میرے خلاف کوئی فتویٰ جاری نہیں ہوا اور فتنہ چاہنے والوں کے دانت کھٹّے ہو گئے۔

پھر جب اس واقعہ کے ایک سال بعد میری کتاب ’’خدا اور انسان‘‘ مئی/ 2014 میں شائع ہوئی تو میں نے اُس کے ایک آرٹیکل: ’’آیت آیت معرفت‘‘ میں، اُس اقتباس پر کئے گئے اعتراضات کا مختصر جواب بھی شائع کر دیا۔

آج جب میں اِس کتاب پر نظر ثانی کر رہا ہوں تو مجھے خیال آیا کہ کہیں مستقبل میں دوبارہ وہ مضمون کسی کے لئے فتنے کا سامان نہ بن جائے، میں نے اُس میں کچھ ترمیم کر کے اپنے مطلب کو مزید واضح اور صاف کر دیا ہے۔

امید ہے کہ میری یہ کوشش بہتر اور مفید ثابت ہوگی اور میرا ربّ کریم میرے اِس مخلصانہ عمل پر مغفرت و رحمت نازل فرمائے گا۔ آمین!

ارشد جمال اشرفی

مئی/ 2025

قرآن کس لئے؟

قرآن کیوں نازل ہوا؟ اللہ نے اتنے اہتمام سے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے پوری دنیا کے پاس اپنا کلام کیوں بھیجا؟ اِس کی حکمت اور ضرورت خود اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے۔ قرآن کی ایک آیت ہے: ﴿کِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْکَ مُبَارَکٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَکَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ● ﴾(ص:29)

یہ برکت والی کتاب ہے، جسے (اے رسول) ہم نے تیری طرف نازل کیا، تا کہ لوگ اُس کی آیتوں میں غور کریں اور تا کہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

اِس آیت میں قرآن کے نازل ہونے کی دو وجہ بیان کی گئی ہے:

ایک قرآن کو سمجھنا اور اُس میں غور وفکر کرنا۔ دوسرے قرآن کو سمجھ کر اُس سے نصیحت حاصل کرنا...... لیکن ایک زمانے تک مشرکینِ مکہ نے نہ قرآن کو سمجھا، نہ اُس میں غور وفکر کیا اور نہ اُس سے نصیحت حاصل کی۔ یہی حال موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا ہے۔ نہ وہ قرآن کو سمجھتے ہیں اور نہ اُس میں غور وفکر کرتے ہیں، حالانکہ بہت ساری زبانوں میں قرآن کا چھپا ہوا ترجمہ موجود ہے۔ آج کے الیکٹرانک میڈیا کے دور میں یہ کام بہت آسان ہو چکا ہے۔ ہر شخص انٹرنیٹ اور موبائل میں قرآن کا ترجمہ پڑھ سکتا ہے، اُس کا آڈیو سن سکتا ہے اور ویڈیو دیکھ سکتا ہے، لیکن مسلمانوں کا ذہن ہر اُس چیز سے زیادہ دلچسپی رکھتا ہے جو قرآن کے علاوہ ہے۔ ایسا کیوں ہے کہ لوگوں کو قرآن سے دلچسپی نہیں؟ کیوں کہ قرآن پڑھنے سے جو ذہن بنتا ہے، وہ آخرت کا ذہن بنتا ہے۔ دنیا سے دلچسپی کم ہو جاتی ہے اور آخرت سے دلچسپی بڑھ جاتی ہے اور کوئی اپنی شاندار دنیا اور اُس کا عیش وآرام چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔

اِس کتاب کے لئے میں نے کچھ مضامین اِسی مقصد سے تیار کئے ہیں تا کہ لوگ قرآن کی طرف آئیں، اُسے پڑھیں، سمجھیں اور نصیحت حاصل کریں اور اپنے بچوں کو قرآن کا عالم بنائیں۔

انوکھا کلام

قرآن اللہ کا کلام ہے اور بے حد انوکھا کلام ہے۔ یہ اللہ کا کلام کیوں ہے؟ اِس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انسان کے اندر ایک ایسی کیفیت پائی جاتی ہے جو اُسے کسی چیز کے ماننے اور اُس کے آگے جھکنے پر مجبور کر دیتی ہے، قرآن کا تعلق انسان کی اُسی کیفیت سے ہے۔ جب کوئی انسان قرآن کو سنتا ہے تو سننے ہی سے اُس کی وہ کیفیت جاگ جاتی ہے اور اُسے مجبور کرتی ہے کہ وہ قرآن کو مانے اور اُس کے آگے جھکے۔ یہ بات کسی انسان کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ قرآن جس دور میں نازل ہو رہا تھا، اُس کے سننے والوں کا یہی حال ہوتا تھا۔ جو کوئی سنتا تھا، یہ کلام اُس کے دل پر بیٹھ جاتا تھا اور پوری شدّت کے ساتھ اُس کے اندر یہ احساس پیدا ہوتا تھا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہوسکتا۔ اِس معاملے میں بچے، بوڑھے، مرد، عورت، آزاد اور غلام سب کا حال برابر تھا۔ چاہے وہ کوئی ہو، قرآن سن کر اُس کی سوچ بدل جاتی تھی۔ قرآن کا سننا، قریش کے لیڈروں کے لئے بہت بڑی پرابلم (problem) پیدا کر رہا تھا۔ اُنھوں نے سارا زور اِس پر لگا دیا تھا کہ کوئی قرآن کو سننے نہ پائے۔ وہ لوگوں کو قرآن سننے سے روکتے تھے، مگر کہاں تک روک سکتے تھے، چنانچہ اُنھوں نے ایک غیر اخلاقی رویّہ اختیار کیا۔ اُن کے اُس رویّہ کا قرآن میں ذکر ہے: ﴿اور کافروں نے کہا کہ اِس قرآن کو مت سنو اور اُس میں شور شرابا کرو، امید ہے کہ تم قرآن کی آواز کو دَبا دو گے۔﴾ (فصّلت: 26)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو قرآن پڑھ کر سناتے تو مشرکین کی ایک ٹولی وہاں آجاتی اور زور زور سے تالیاں اور سیٹیاں بجانے لگتی اور اِس طرح بے ہنگم باتیں کرنے لگتی کہ قرآن سننے والا ڈسٹرب ہوجاتا اور وہ قرآن کو ٹھیک سے نہ سن پاتا اور نہ اُسے سمجھ پاتا۔ قرآن نہ سننے کے لئے اتنی زبردست پلاننگ کرنا اور قریش کے بڑے بڑے لیڈروں کا اِس کام میں لگ جانا، واضح کرتا ہے کہ یہ کسی انسانی کلام کی اوقات نہیں ہے کہ وہ ہر سننے والے کا ذہن پھیر دے۔

دشمن نے بھی مان لیا

عتبہ بن ربیعہ قریش کا ایک سردار تھا جو جنگِ بدر میں مارا گیا تھا۔ایک دن اُس نے دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کعبے میں تنہا بیٹھے ہوئے ہیں۔آپ کو تنہا پا کر وہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

''اگر تم اپنے چلائے ہوئے دین کے نام پر دولت کمانا چاہتے ہو تو ہم تمھارے لئے اتنی دولت اکٹھا کر دیں گے کہ تم، ہم سب سے زیادہ دولتمند بن جاؤ گے۔اور اگر کوئی منصب حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں تا کہ یہ سارا ہنگامہ بند ہو جائے اور اگر بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔اور اگر یہ سب کسی آسیبی خلل کی وجہ سے ہے جسے تم اپنے سے دور نہیں کر پا رہے ہو تو ہم تمھارے لئے دوا علاج کا انتظام کرتے ہیں اور اُس کے لئے اپنے روپے پیسے خرچ کرتے ہیں تا کہ تم بھلے چنگے ہو جاؤ، کیونکہ جب کسی پر آسیب سوار ہو جاتا ہے تو وہ علاج ہی سے ٹھیک ہوتا ہے''۔

ابھی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ کو سن رہے تھے۔جب اُس نے اپنی بات کہہ لی تو آپ نے کہا: اے ابوالولید! اپنی بات کہہ چکے؟

اُس نے کہا: ہاں!

آپ نے کہا: اب مجھ سے سنو!

اُس نے کہا: سناؤ! آپ نے قرآن کی تلاوت شروع کی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ • حم • تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ • كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ • بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ • وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ(فصلت:1+5)

(حم، بڑے مہربان، نہایت رحم والے کی اُتاری ہوئی۔وہ کتاب جس کی آیتیں خوب واضح ہیں۔عربی زبان کا قرآن علم والوں کے لئے ہے۔خوشخبری دینے والا اور ڈر

سنانے والا، تو اُن میں سے اکثر نے منہ پھیرا، تو وہ لوگ سنتے ہی نہیں۔ اور اُن لوگوں نے کہا: ہمارے دل اُن باتوں سے تنگی میں ہیں جن کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو۔)

اُس کے بعد عتبہ اپنے ساتھیوں کی طرف پلٹا۔ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے: ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ابوالولید آتو رہا ہے مگر اُس کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ جب وہ اُن کے پاس آکر بیٹھا تو اُنھوں نے پوچھا: اے ابوالولید! جانے کے بعد کیا معاملہ پیش آیا؟

اُس نے بتایا: وہاں جا کر میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے کہ اللہ کی قسم! ویسا کلام کبھی میں نے نہیں سنا۔ اللہ کی قسم! نہ وہ شعر ہے نہ جادو اور نہ کہانت۔ اے قریشیو! میری بات مانو۔ اس آدمی کو اپنے حال پر چھوڑ کر الگ تھلگ ہو جاؤ، کیونکہ اللہ کی قسم اُس کا کلام سن کر لگتا ہے کہ ضرور کوئی بڑا انقلاب آئے گا۔ اگر عرب نے اُس کا زور توڑ دیا تو بغیر کچھ کیے ہی تم فائدے میں رہو گے اور اگر وہ عرب پر چھا گیا تو اُس کا ملک تمھارا ملک ہے اور اُس کی عزت تمھاری عزت اور اُس کی وجہ سے تم لوگ بڑے خوش قسمت ثابت ہو گے۔

یہ سب کچھ سن کر اُس کے ساتھی بولے: اللہ کی قسم اے ابوالولید! اُس نے آپ پر اپنی زبان کا جادو چلا دیا ہے۔(1)

دشمن نے بھی مان لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کلام پیش کر رہے ہیں، وہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ عتبہ بن رَبیعہ کوئی مفکر اور دانشور نہیں تھا اور نہ اُسے اتنا وقت ملا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیے ہوئے کلام پر سنجیدگی سے غور کرتا اور اُس کلام کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔ بس اتنا ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھا اور اُس نے غور سے سنا۔ قرآن کا سننا تھا کہ وہ اُس کے آگے جھک گیا اور مان لیا کہ یہ کوئی انسانی کلام نہیں ہو سکتا۔

---

(1) سیرۃ ابن ہشام: 1/330+331

دل پگھل گیا

وَلید بن مغیرہ، قریش کا ایک ماہر ادیب اور شاعر تھا۔ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف اور آپ کا مذاق اڑانے والے لوگوں میں شامل تھا۔ ایک مرتبہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے قرآن پڑھ کر سنایا تو قرآن سن کر اُس کا دل پگھل گیا۔ ابو جہل کو یہ خبر پہنچی تو ولید بن مغیرہ نے اُسے ساری بات بتاتے ہوئے کہا:

''اللہ کی قسم! تمھارے درمیان کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو مجھ سے زیادہ شاعری کو سمجھتا ہو، جسے رجز اور قصیدہ کے اشعار کے بارے میں مجھ سے زیادہ واقفیت ہو اور جسے جنوں کے اشعار کی مجھ سے زیادہ خبر ہو۔ اللہ کی قسم! وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو کہتا ہے، اِن میں سے کسی چیز کے مشابہ نہیں۔ اللہ کی قسم! اُس کی بولی (قرآن) جو وہ بولتا ہے، سراسر مٹھاس ہے۔ بلاشبہ اُس میں بڑی خوبی اور رونق ہے۔ اُس کا اوپری حصہ بڑا پھلدار ہے اور اُس کا نچلا حصہ بہت تر بہ تر ہے۔ بلاشبہ وہ خود ہی بلند ہے، اُسے بلند کرنے کی ضرورت نہیں۔ یقیناً جو اُس کے نیچے ہے، اُس کی بولی اُسے توڑ دیتی ہے''۔ (2)

ولید بن مغیرہ نے تھوڑی دیر کے لئے صرف قرآن کو سنا تھا اور سنتے ہی اُس کا دل قرآن کے آگے جھک گیا۔ کسی انسان کے کلام میں یہ تاثیر نہیں ہو سکتی کہ کوئی اپنے دشمن کا کلام سن کر اتنا زیادہ متأثر ہو جائے اور جب اُس کے گروپ کے سرغنہ نے اُس سے پوچھا تو اُس وقت بھی وہ چپ نہ رہ سکا اور اپنے احساسات کو چھپا نہ سکا، بلکہ اپنے تجربات کی روشنی میں کھل کر اعتراف کر لیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیش کیا ہوا کلام، کسی برتر ہستی کا برتر کلام ہے، کیونکہ وہ کسی انسانی کلام سے میل نہیں کھاتا۔

---

(2) المستدرک: 596/2 (حدیث: 3929)
شعب الایمان: 288/1 (حدیث: 133)

کوئی قرآن نہ سنے

ایک دن قریش کے کچھ لوگ ولید بن مغیرہ کے پاس اکٹھا ہوئے جو قریش میں ایک عمر دراز آدمی تھا۔ اُس نے پوچھا: اے قریشیو! حج کا دن سر پر آچکا ہے۔ جلد ہی عرب کے وفد آپ کے پاس آئیں گے، جنھوں نے آپ کے صاحب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ سن رکھا ہے۔ لھٰذا اُن کے معاملے میں سب لوگ ایک رائے قائم کرلو۔ اُن کے بارے میں الگ الگ باتیں نہ کہنا ورنہ ایک دوسرے کے نزدیک جھوٹے بنو گے اور آپس ہی میں ایک دوسرے کی بات رَد کرو گے۔

ان سبھوں نے کہا کہ: ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو "کاہن" کہیں گے۔ اُس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! وہ کاہن نہیں ہیں۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے، نہ وہ کاہنوں کی طرح گنگناہٹ (منمنانے) والی آواز میں بولتے ہیں اور نہ بنا بنا کر جملے نکالتے ہیں۔

اُنھوں نے کہا کہ: ہم اُنھیں "دیوانہ" کہیں گے۔

اُس نے کہا: وہ دیوانے بھی نہیں، دیوانگی ہماری جانی پہچانی چیز ہے۔ بولتے وقت ایسا نہیں کہ اُن کا گلا گھونٹا ہوا ہو، نہ اُن کے بدن میں کھنچاؤ ہوتا ہے اور نہ وسوسے کی بولی ہوتی ہے۔

اُنھوں نے کہا: ہم اُنھیں "شاعر" کہیں گے۔

اُس نے کہا: وہ تو شاعر نہیں، ہمیں ہر طرح کے شعر کی پہچان ہے، اُن کا کلام شعر نہیں۔

اُنھوں نے کہا: ہم اُنھیں "جادوگر" کہیں گے۔

اُس نے کہا: وہ جادوگر نہیں، ہم نے جادوگروں کو اور اُن کے جادوؤں کو دیکھا ہے۔ وہ جادوگروں کی طرح گنڈے بنا کر (دھاگوں میں گرہ لگا لگا کر) اُس پر دَم نہیں کرتے۔ تب اُنھوں نے کہا: اے عبد شمس! آخر ہم اُنھیں کیا کہیں؟

اُس نے کہا: اللہ کی قسم بے شک اُن کے کلام میں چاشنی ہوتی ہے۔ جیسے کھجور کا پھلدار درخت جس کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں اور پھل مزیدار۔ آپ لوگ ایسی جو بات بھی

کہیں گے، پتہ چل جائے گا کہ ''جھوٹ'' ہے۔ زیادہ سے زیادہ اُن کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ جادوگر ہیں۔ وہ ایک ایسی جادوئی بولی بولتے ہیں جس سے باپ بیٹے، بھائی بہن اور میاں بیوی میں جدائی پڑ جاتی ہے اور آدمی اپنے خاندان سے کٹ جاتا ہے۔ چنانچہ اِس بات پر اتفاق کر کے سب لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ پھر جب حج کے زمانے میں لوگ اِدھر اُدھر سے آنے لگے تو یہ لوگ گذرگاہوں پر بیٹھ گئے۔ ہر آنے جانے والے سے کہتے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بچ کر رہیں اور پھر آپ کے بارے میں وہی بکواس کرتے۔(3)

قریش کی میٹنگ میں یہ طے نہیں ہوسکا کہ حقیقت میں قرآن ہے کیا چیز؟ قریش کے سامنے انسانی کلام کے جو نمونے موجود تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کیا ہوا کلام اُن میں سے کسی سے نہیں مِلتا تھا، اِس لئے وہ قرآن کو انسانی کلام نہیں قرار دے سکے۔ مشکل یہ تھی کہ اُنھیں باہر سے آنے والے زائرین کو قرآن سننے سے روکنا بھی تھا اور وہ قرآن کو کوئی درست نام بھی نہیں دے سکتے تھے تو اُنھوں نے فرضی طور پر قرآن کو ''جادوئی بولی'' قرار دے دیا اور اُسے جادوئی بولی قرار دے کر سارا زور اِس پر لگایا کہ کوئی قرآن نہ سنے۔ یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے کہ سارا قریش اِس بات سے ڈرتا تھا کہ قرآن کی آواز اُس کے کان میں پڑے ورنہ فوراً اُس کا اثر دل میں اُتر جائے گا۔ کیا اب تک کی تاریخ میں کسی انسان نے کوئی ایسا کلام پیش کیا جو اپنا اثر دکھلانے میں کسی جادو سے کم نہ ہو اور اُس کو سننے ہی سے لوگ بھاگتے ہوں اور گھبراتے ہوں۔ آخر قرآن ہی کے سننے سے اتنی گھبراہٹ کیوں؟ کیا یہ گھبراہٹ اور بدحواسی اِس بات کی دلیل نہیں کہ قرآن، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام نہیں، بلکہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا کا کلام ہے جس کا معجزہ صرف سننے ہی سے ظاہر ہو جاتا تھا۔ وہ پڑھنے پر روک نہیں لگا سکتے تھے، کیونکہ وہ قرآن کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام کہتے تھے تو پھر کسی انسان کے کلام پر روک کیسی؟! یہ عجیب دُہری مصیبت تھی۔

---

(3) سیرۃ ابن ہشام: 1/306+307

کان میں آواز پڑ ہی گئی

حدیث اور سیرت کی کتابوں میں اِس سلسلے کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہوا ملتا ہے۔

قبیلۂ دَوس سے تعلق رکھنے والا ایک آدمی مکے میں داخل ہوتا ہے۔ وہ ایک شریف اور سمجھدار شاعر ہے جس کا نام طفیل بن عَمر ودَوسی ہے۔

جب وہ آیا تو قریش کے کچھ لوگ اُس سے کہتے ہیں:

''یہ آدمی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو ہمارے درمیان رہ رہا ہے، ہمارے لئے مصیبت بن گیا ہے۔ اُس نے ہماری جماعت میں پھوٹ پیدا کردی ہے۔ ہمیں تِتر بِتر کردیا ہے۔ اُس کی بولی جادو جیسی ہے جو باپ بیٹے، بھائی بھائی اور میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتی ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ آپ اور آپ کی قوم اُس مصیبت میں نہ پڑ جائیں جس میں ہم مبتلا ہیں۔ لھٰذا آپ اُس سے ہرگز بات نہ کریں اور نہ اُس کی کچھ سنیں''۔

چنانچہ قریش کے لوگ برابر اُس کے پیچھے لگے رہے، یہاں تک کہ اُس نے طے کرلیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ کوئی بات سنے گا اور نہ اُن سے بولے گا حتی کہ ایک دن جب وہ کعبے کی طرف آنے لگا تو اُس نے اپنے کان میں روئی ٹھونس لی۔ ڈر تھا کہ کہیں آپ کی کوئی بات کان میں نہ پڑ جائے، کیونکہ وہ آپ کی کوئی بات سننا نہیں چاہتا تھا۔

جب وہ وہاں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ آپ کے قریب آیا تو اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اُس کے کان میں آپ کی تلاوت کی آواز پہنچ ہی گئی اُس نے اُسے ایک عمدہ کلام پایا۔ اُس نے اپنے جی میں کہا:..... میری ماں روئے! اللہ کی قسم! میں ایک سمجھدار شاعر ہوں۔ مجھ سے اچھا برا کلام چھپا ہوا نہیں ہے تو پھر کس چیز نے مجھے اُس آدمی کی بات سننے سے روک رکھا ہے!؟ اگر وہ کوئی اچھی بات پیش کرے گا تو میں اُسے قبول کرلوں گا اور اگر بری بات ہوگی تو میں اُسے چھوڑ دوں گا..... کچھ دیر کے بعد اللہ کے رسول جب اپنے گھر کی طرف بڑھے تو وہ بھی

آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا، یہاں تک کہ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو وہ بھی اندر پہنچ گیا اور کہنے لگا:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کی قوم نے آپ کے بارے میں مجھ سے ایسا ایسا کہا ہے۔ وہ لگا تار مجھے آپ کے معاملے میں ڈراتے رہے، یہاں تک کہ میں نے اپنے کان میں روئی ٹھونس لی تا کہ آپ کی کوئی بات نہ سن سکوں، پھر اللہ کے کرنے سے میں نے آپ کا پڑھنا سن ہی لیا۔ میں نے اُسے ایک عمدہ کلام پایا۔ لھٰذا آپ اپنا معاملہ میرے سامنے پیش کیجئے''۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے سامنے اسلام پیش کیا اور اُسے قرآن پڑھ کر سنایا۔ اُس نے قرآن سن کر کہا: اللہ کی قسم! میں نے آج تک ایسا عمدہ کلام نہیں سنا تھا اور نہ اِس سے زیادہ سیدھا معاملہ دیکھا تھا، پھر وہ مسلمان ہو گیا۔(4)

طفیل بن عَمر و دَوسی رضی اللہ عنہ نے قرآن کو اتفاقاً سن لیا تھا اور سن کر اُن کا دل بے چین ہو گیا اور بے چین ہو کر قرآن کے آگے جھک گیا۔ اُنھوں نے سنتے ہی اعتراف کر لیا کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ یہ قرآن کا عجیب معجزہ تھا کہ جو کوئی بھی اُسے سنتا تھا، وہ محسوس کر لیتا تھا کہ وہ انسان کا کلام نہیں ہے۔ دشمنوں اور مخالفوں کو بھی یہی احساس ستاتا تھا، مگر وہ جال کی طرح پھیلے ہوئے اپنے گروپ سے مجبور تھے۔

قرآن سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرنے کے لئے ہر شخص تیار ہو جاتا تھا اور وہ اسلام قبول کر لیتا تھا۔ کچھ لوگ تھے جو اعتراف کے باوجود اسلام میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ یہ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ذاتی طور پر بغض وعِناد رکھتے تھے۔ اِس طرح کے لوگ زیادہ تر اپنی قوم کے معزز یا اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ مثال کے طور پر ابوسفیان، ابوجہل اور اَخنَس بن شُرَیق ایک رات نکلے تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سنیں۔ اُس وقت آپ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

---

(4) سیرۃ ابن ہشام: 322+320 / 1

اُن تینوں نے اپنی الگ الگ ایک جگہ متعین کرلی اور بیٹھ گئے۔ وہ تینوں ایک دوسرے سے بے خبر تھے کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔ اُنھوں نے رات بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا سنا یہاں تک کہ فجر طلوع ہوئی تو سب چھٹ گئے۔ راستے میں اُن کی ملاقات ہوئی تو سب نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور کہا کہ آئندہ یہ کام مت کرنا ورنہ تمھارے قبیلے کا کوئی آدمی دیکھ لے گا تو مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔

دوسری رات پھر وہ ایک دوسرے سے چھپ کر آئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر رات بھر اُنھوں نے قرآن کی تلاوت سنی۔ فجر کے وقت لوٹے تو راستے میں پھر اُن کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوگئی۔ سب نے وہی بات دُہرائی اور گھر لوٹ گئے۔ تیسری رات پھر تینوں آئے اور رات بھر قرآن سنا۔ فجر کے وقت اُٹھے تو راستے میں ملے۔ اِس بار سب نے کہا کہ آج پکا عہد کر کے ہی ہم اپنے گھر لوٹیں گے کہ کل سے یہاں کوئی نہیں آئے گا۔

صبح ہوئی تو اخنس بن شُریق ابوسفیان کے گھر پہنچا اور بولا کہ آپ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو تلاوت سنی اُس کے بارے میں کیا رائے ہے؟

ابوسفیان بولا: اللہ کی قسم! کچھ چیزوں کو تو میں پہچان رہا ہوں کہ اُس سے کیا مراد ہے اور کچھ چیزوں کا مطلب میں نہیں سمجھ سکا۔

اخنس نے کہا کہ میں بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ معاملہ یہی ہے۔

پھر وہ ابوسفیان کے گھر سے نکلا اور ابوجہل کے گھر آیا۔ اُس نے ابوجہل سے بھی وہی سوال کیا کہ: آپ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو کچھ (قرآن) سنا ہے اُس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوجہل بولا: ''میں نے جو کچھ بھی سنا ہو۔ (اُس سے کیا لینا؟) ہمارا اور بنوعبدمناف کا جھگڑا تو وقار کا ہے☆۔ وہ لوگوں کو کھلاتے پلاتے تھے تو ہم نے بھی کھلانا پلانا شروع کر دیا۔ وہ دوسروں کے کام آتے تھے تو ہم نے بھی مدد کرنی شروع کر دی۔ وہ نوازش کرتے

☆ ابوجہل بنومخزوم خاندان سے تھا اور اللہ کے رسول ﷺ بنوعبدمناف خاندان سے تھے۔

تھے تو ہم بھی نوازش کرنے لگے۔ یہاں تک کہ جب ہم گھٹنوں کے بل سیدھے کھڑے ہوگئے اور ہم دونوں گھڑ دوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح برابر ہوگئے تو اب وہ کہنے لگے کہ ہمارے خاندان میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ بھلا ہم اِس مرتبے تک کب پہنچیں گے؟ اللہ کی قسم! ہم اُس پر کبھی ایمان نہ لائیں گے اور نہ کبھی اُس کی تصدیق کریں گے"۔(5)

پہلی بار قرآن سن کر وہ تینوں بہت زیادہ متأثر ہوگئے تھے اور اتنا بے چین تھے کہ قرآن سننے کے لئے کہ ایک دوسرے سے چھپ کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ وہ اچھی طرح محسوس کر رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو پڑھ رہے ہیں، وہ اُن کا کلام نہیں ہے۔ اُنھیں اپنی قوم کا ڈر نہ ہوتا تو وہ برابر قرآن سننے آتے۔ اُنھیں شرم آئی کہ اپنی قوم کو تو وہ قرآن سننے سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جانے سے منع کرتے ہیں اور خود یہاں رات رات بھر بیٹھ کر قرآن سنتے ہیں۔ مکہ میں ایک سے ایک شاعر اور خطیب موجود تھے، لیکن اُنھوں نے کبھی کسی انسان کا کلام، اِس طرح رات رات بھر جاگ کر نہیں سنا۔ اُن تینوں کی یہ ذہنی حالت گواہی دے رہی تھی کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو کچھ سن رہے تھے، وہ ہرگز اُن کا کلام نہیں۔

ابو جہل کے ڈائیلاگ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا سمجھتا تھا اور اُسے یہ بھی احساس تھا کہ وہ جس کلام کو پیش کر رہے ہیں، وہ اُن کا اپنا کلام نہیں ہے۔ اِس کے باوجود وہ اللہ کے رسول کو سچا کہنے کے لئے تیار نہیں تھا اور نہ ہی آپ کو وہ اللہ کا رسول ماننے کے لئے تیار تھا، کیونکہ ایسا کرنے سے اُس کے خاندان کی ناک کٹ جاتی اور اُس کی عزت چلی جاتی۔ اِسی بغض وحسد میں وہ اسلام سے دور رہا۔

---

(5) سیرۃ ابن ہشام: 1/352+353

قرآن میں غور کرو

قرآن، اللہ کا کلام ہے۔ اِس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اُس کے بیان میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا اور اُس کی باتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی نہیں، جبکہ انسان کے کلام کا حال یہ ہے کہ اُس کے بیان میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ کبھی ایک بات وہ کہتا ہے اور پھر اُس کے خلاف کوئی دوسری بات کہہ دیتا ہے۔ یا کبھی ایک بات کہتا ہے اور پھر اپنی بات واپس لے لیتا ہے۔ ایسا اِس لئے ہوتا ہے کہ انسان کے اندر بھولنے کی عادت ہوتی ہے۔ وہ اپنی بات کہہ کر بھول جاتا ہے اور ایسا اِس لئے بھی ہوتا ہے کہ انسان کی معلومات محدود ہوتی ہے۔ وہ جو کچھ سوچتا اور سمجھتا ہے، وہ اُس کا تھوڑا سا تجربہ ہوتا ہے۔ جب اُسے کوئی نئ معلومات ہوتی ہے اور کوئی نیا تجربہ ہوتا ہے تو اُسے اپنی کہی ہوئی بات کو واپس لینا پڑتا ہے۔ اِس طرح انسان کی کہی ہوئی اُن تمام باتوں کو اکٹھا کر دیا جائے تو وہ اختلاف اور تضاد کا ایک مجموعہ بن جائے گا۔ انسانی کلام کی یہی پہچان ہے کہ اُس کا بیان اختلاف اور تضاد کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اگر قرآن بھی کسی انسان کا کلام ہوتا تو وہ بھی انسانی کلام کے مشابہ ہوتا اور وہ بھی اختلاف اور تضاد کا مجموعہ نظر آتا، لیکن قرآن کو جب پوری سنجیدگی اور پورے غور وفکر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تو اُس میں یہ عیب نظر نہیں آتا۔ قرآن نے اِسی چیز کو دلیل بنا کر پیش کیا ہے کہ وہ کسی انسان کا نہیں، بلکہ اللہ کا کلام ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيراً ●﴾ (النساء:82)

(تو کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے، اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو ضرور اُس میں وہ بہت اختلاف پاتے۔)

جس کلام میں بہت زیادہ اختلاف ہونا چاہیئے تھا، اُس میں ذرہ برابر کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

اختلافِ کثیر کا دوسرا پہلو

اوپر جو بات کہی گئی ہے، وہ سورۃ النساء کی اُس آیت کی تفسیر ہے جس میں ’’اختلاف کثیر‘‘ کا لفظ آیا ہے۔ عام طور پر مفسرین اِسی بات کو ایک زمانے سے دہراتے آرہے ہیں۔ اُنھوں نے اختلاف کا مطلب یہی بتایا ہے کہ قرآن کی آیتیں آپس میں ایک دوسرے سے ٹکراتی نہیں اور قرآن کا بیان آپس میں ایک دوسرے سے مختلف نہیں۔ مفسرین آیت کی اِس تفسیر کے لئے مجبور تھے، کیونکہ اُن کے سامنے وہ دور ظاہر نہیں ہوا تھا جسے ماڈرن دور یا سائنسی دور کہا جاتا ہے۔ سائنس کا دور میٹیریل (Material) اور نیچر پر ریسرچ کرنے کا دور تھا۔ جب یہ ریسرچ شروع ہوئی تو اُس کے نتیجے میں کائنات کے اندر پائی جانے والی بہت سی حقیقتوں اور علتوں کا انکشاف ہوا۔ انسان نے قانونِ فطرت کو دریافت کیا اور نئی تھیوری اُس کے سامنے آئی۔

قرآن جس زمانے میں نازل ہوا۔ وہ بالکل غیر ترقی یافتہ دور تھا اور جن لوگوں کے درمیان نازل ہوا وہ کائنات کو اُس زاویے سے نہیں دیکھ سکتے تھے، جس زاویے سے ماڈرن دور میں کائنات کا مطالعہ ممکن ہوسکا۔ اِس لئے اُن کے سامنے قرآن کی آیتوں کا وہ پہلو روشن نہیں ہوسکا جس کا تعلق سائنس کے مطالعہ سے تھا۔ جب سائنس کا دور آیا تو قرآن کے اندر چھپی ہوئی بہت سی وہ حقیقتیں سامنے آنے لگیں، جن کو سائنسی مطالعہ کے بغیر دریافت نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اِس اعتبار سے سورۃ النساء کی آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن کے باہر کی دنیا میں جو حقیقتیں دریافت ہوئی ہیں، اُن حقیقتوں کا قرآن کے ساتھ کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہی اصل حقیقت ہے، سائنس کو گھوم پھر کر اُس حقیقت تک آنا ہی ہے۔ اِس پہلو سے اگر لوگ قرآن کو غور سے پڑھیں اور سمجھیں تو اُنھیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اگر وہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو قرآن کے بیان اور سائنس کی دریافت اور انکشاف کے درمیان مطابقت نہ ہوتی، بلکہ اُن کے درمیان تضاد اور اختلافِ کثیر پایا جاتا۔

زمین گول ہے

ہم یہاں کچھ مثالوں سے واضح کریں گے کہ قرآن کے بیان اور سائنسی دریافت اور انکشاف کے درمیان کوئی تضاد اور اختلاف نہیں، بلکہ دونوں میں مطابقت پائی جاتی ہے۔

قدیم زمانے میں یہ تصور تھا کہ زمین گول اور چپٹی (flat) ہے۔ بعد میں یونانی فلاسفہ نے اندازہ لگایا کہ زمین کُرَوی شکل (spherical) میں گول ہے۔ سب سے پہلے ایک مسلم فلسفی، محمود بن محمد بن عمر چغمینی (وفات:1345ء) نے ایک واضح تصور پیش کیا کہ زمین کُرَوی شکل کی ہے، پھر چغمینی ہی کے تصور کو مغربی مفکرین نے لیا اور اُس پر مزید اضافہ کیا۔ مغرب میں زمین کے کُرَوی ہونے کا تصور سولھویں صدی عیسوی میں آیا، حالانکہ ساتویں صدی عیسوی میں قرآن نے یہ تصور پیش کر دیا تھا۔ قرآن کی ایک آیت ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ • ﴾(لقمان:29)

(کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ رات کو بڑھاتا ہے دن کے اندر اور دن کو بڑھاتا ہے رات کے اندر۔ اور اُس نے سورج اور چاند کو تمھارے کام میں لگا دیا ہے۔ سب ایک مقرر مدت تک کے لئے دوڑ رہے ہیں اور بے شک اللہ اُس چیز سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔)

قرآن میں اِس مضمون کی آیتیں: آل عمران 27:، الحج:61، فاطر:13، الحدید:6 میں بھی آئی ہیں۔ اِس آیت میں ایک لفظ آیا ہے "يُولِجُ" ۔ اِس کا لغوی معنی ہے: ایک چیز کو دوسری چیز میں زیادہ کرنا۔(6) یعنی دن کے ہوتے ہوئے اُس کے اندر رات زیادہ ہوتی رہتی ہے اور دن گھٹتا رہتا ہے اور رات کے ہوتے ہوئے اُس کے اندر دن زیادہ ہوتا رہتا ہے اور رات گھٹتی رہتی ہے۔ یعنی نہ رات اچانک آتی ہے اور نہ دن اچانک آتا ہے، بلکہ دن کے پیچھے رات دھیرے دھیرے آتی ہے اور رات کے پیچھے دن، دھیرے دھیرے

---

(6) الصحاح:347، مختار الصحاح:306، المفردات:690

آتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ زمین کے ایک حصہ میں رات ہوتی ہے اور ایک حصہ میں دن ہوتا ہے۔رات اور دن کے آنے کی یہ کیفیت اُسی وقت ہوسکتی ہے، جبکہ زمین کو کُروی شکل میں گول مانا جائے۔اگر زمین کروی شکل میں گول نہ ہوتی، بلکہ وہ چپٹی ہوتی تو رات اور دن زمین پر دھیرے دھیرے نہ آتے، بلکہ اچانک آتے۔پوری زمین پر رات اچانک آتی اور دن فوراً غائب ہوجاتا۔ایسے ہی پوری زمین پر دن اچانک آتا اور رات فوراً غائب ہوجاتی، حالانکہ ایسانہیں ہوتا۔رات اور دن کے آنے جانے کا یہ سسٹم اِس بات پر دلیل ہے کہ زمین، کُروی شکل کی (گول) ہے۔

دوسری آیت

﴿خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ﴾(الزمر:5)

(اُس نے آسمان اور زمین کوحق کے ساتھ پیدا کیا، وہ رات کودن کے دائرے پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات کے دائرے پر لپیٹتا ہے۔اور اُس نے سورج اور چاند کو کام میں لگایا، سب اپنے مقرر وقت تک کے لئے دوڑ رہے ہیں، سن لو وہی غالب بخشنے والا ہے۔)

اِس آیت میں "یُکَوِّرُ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔لغت میں اُس کا معنی ہے: "کسی چیز کوکسی چیز کی گولائی میں (دائرہ نما) لپیٹنا"۔اِسی سے ایک جملہ بنا ہے: "كَارَالرَّجُل الْعِمَامَةَ"، یعنی آدمی نے عمامہ باندھا۔عمامہ سر کی گولائی پر، دائرہ نما لپیٹا جاتا ہے۔(7)

اِس لغت کی روشنی میں آیت کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ رات کودن کی گولائی پر لپیٹا جاتا ہے اور دن کو رات کی گولائی پر لپیٹا جاتا ہے۔ یہ رات کہاں ہوتی ہے اور یہ دن کہاں ہوتا ہے؟ رات اور دن دونوں زمین پر ہوتے ہیں۔رات اور دن اُسی وقت گول اور دائرہ نما ہوں گے جب زمین گول اور دائرہ نما ہوگی۔جیسے عمامہ کو جب سر پر باندھا جاتا ہے تو عمامہ بھی سر کی طرح گول نظر آتا ہے، حالانکہ عمامہ گول نہیں تھا، بلکہ سر گول ہے۔زمین پر رات کا اندھیرا اور دن کا اُجالا جیسے جیسے پھیلتا اور بڑھتا ہے تو وہ گول اور دائرہ نما ہوتا ہے۔اِس کا مطلب یہ ہے کہ زمین گول ہے نہ کہ چپٹی۔

---

(7)الصحاح:809،مختارالصحاح:242،المصباح المنیر :241،المفردات:571

ایک اور آیت

﴿وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا﴾ (الحجر:19،ق:7)

(اور زمین کو ہم نے بچھایا۔)

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا ہے کہ ''بچھی ہوئی زمین'' یا ''زمین بچھی ہوئی ہے''۔ بچھی ہوئی زمین کا مطلب یہ ہے کہ زمین پیدائش کے وقت ہی سے بچھی ہوئی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو زمین کا چپٹی ہونا سمجھ میں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ زمین کو ہم نے بچھایا۔ یعنی وہ پیدائشی طور پر تو بچھی ہوئی نہیں ہے، لیکن تم جہاں جاؤ گے، بچھی ہوئی زمین پاؤ گے۔ تم پورب سے پچھّم تک دنیا کے کسی کونے میں چلے جاؤ، اپنے سامنے بچھی ہوئی زمین پاؤ گے۔ یورپ اور ایشیا میں چلے جاؤ، اپنے سامنے بچھی ہوئی زمین پاؤ گے۔ امریکہ اور لندن میں چلے جاؤ، اپنے سامنے بچھی ہوئی زمین پاؤ گے۔ عرب ممالک میں چلے جاؤ، اپنے سامنے بچھی ہوئی زمین پاؤ گے۔ ہندوستان اور پاکستان چلے جاؤ، اپنے سامنے بچھی ہوئی زمین پاؤ گے۔

آخر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہر جگہ زمین بچھی ہوئی ہوتی ہے؟

ایسا اِس لئے ہوتا ہے کہ زمین کروی شکل کی (گول) ہے۔ اگر زمین گول نہ ہوتی بلکہ وہ چپٹی ہوتی، یا مربع یا مثلّث یا مسدّس ہوتی، یا کروی شکل کے علاوہ کسی بھی شکل کی ہوتی تو پھر زمین کا کہیں نہ کہیں کنارہ ضرور ہوتا۔ زمین کہیں نہ کہیں جاکر ختم ضرور ہوئی ہوتی، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ زمین کا نہ کوئی کنارہ نہیں ہے اور نہ زمین کہیں جاکر ختم ہوگئی ہے۔ ایسا صرف اِس لئے ہوتا ہے کہ زمین کروی شکل کی (گول) ہے۔ فٹ بال کا کوئی کنارہ نہیں ہوتا اور نہ فٹ بال کا حجم کسی ایک طرف ختم ہوتا ہے اور وہ ہر طرف بچھا ہوا بھی نظر آتا ہے۔ ہر گول چیز کی یہی حقیقت ہے۔ زمین کی شکل کے تعلق سے قرآن کے اندر جو بیان موجود ہے، وہ باہر کی دنیا سے ٹکراتا نہیں۔

یہ ثبوت ہے اِس بات کا کہ قرآن کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

فرعون کی لاش

1898 میں، قدیم مصر کی راجدھانی تھیبس (Thebes) میں دریائے نیل کے قریب واقع، شاہوں کی وادی سے، لاریت (L o r e t) نے فرعون کی ''ممی'' ☆ (Mummy) کو دریافت کیا تھا۔ جہاں سے اُسے قاہرہ میوزیم میں منتقل کر دیا گیا۔

8 جولائی 1970 کو ایلیٹ اِسمتھ (Eliot Smith) نے اس کے جسم سے غلافوں کو اُتارا۔ اُس وقت ''ممی'' کی ہوئی لاش کے کئی حصوں میں خرابی آچکی تھی، پھر بھی حالت تسلی بخش تھی کہ اُسے محفوظ رکھا جائے۔ تب سے وہ ''ممی'' قاہرہ کے میوزیم میں سیاحوں کے لئے نمائش بنی ہوئی ہے۔ سر اور گلا کھلا ہوا ہے، جبکہ جسم کا باقی حصہ کپڑوں میں چھپا ہوا تھا۔ بلاشبہ چھپا ہوا حصہ اچھی حالت میں تھا۔ میوزیم نے اُس ممی کا عام فوٹوگراف جو دیا تھا، وہ 1992 میں ایلیٹ اِسمتھ کے ذریعہ لیا گیا تھا۔

جون 1975 میں ڈاکٹر موریس بوکائلے (Dr.Maurice Bucaille) نے مصری حکمرانوں کی اجازت سے فرعون کی لاش کے اُس حصہ کا جائزہ لیا تھا جو اب تک کپڑوں کے اندر چھپا ہوا تھا۔ اُنھوں نے فوٹوگراف لینے کی بھی اجازت دی۔ ممی کی موجودہ حالت کا موازنہ اُس حالت سے کیا گیا جو آج سے ساٹھ سال پہلے تھی، تو یہ بالکل واضح تھا کہ لاش بگڑ چکی ہے اور اُس کے ٹکڑے غائب ہو چکے ہیں۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ، لاش کے ہاتھ کی کچھ جگہیں اور دوسرے حصوں کے ممی کئے ہوئے کپڑے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ اِس فطری خرابی کی آسان تشریح یہ ہے کہ انیسویں صدی کے جس دور میں یہ ممی دریافت ہوئی تھی، اُس دور میں ''ممی'' جن حالات میں محفوظ تھی، اب وہ حالات بدل چکے تھے۔

جون 1975 میں ڈاکٹر موریس بوکائلے کے مشورے سے ممی کے جائزہ کے دوران اسپیشل تحقیقات کی گئیں۔ ایک اعلیٰ درجے کی شعاعی مصوری (radiographic) کے ذریعہ ڈاکٹر ایل میلیجی (El Meligy) اور رعمسیس (Ramsiys) نے ممی کا مطالعہ کیا اور

☆ قدیم مصریوں کی ایک خاص تکنک سے مردہ جسم میں مسالے اور خوشبوئیں بھرنا تا کہ لاش عرصے تک محفوظ رہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ مَنیالیوی (Dr.Mustapha Manialawiy) نے سینے کی دیوار کے گیپ سے سینے کے اندرونی حصوں کا جائزہ لیا، ساتھ ہی ساتھ کھو کھلے پیٹ پر بھی تحقیق کی۔ یہ ممی کے سلسلے میں اندرونی جائزہ کی پہلی مثال تھی۔ اِس تکنک سے وہ لاش کے اندر کی بہت اہم تفصیلات حاصل کر سکے اور اُن کا فوٹو گراف لے سکے۔ ڈاکٹر سیکالدی (Ceccaldi) نے عام طبی قانونی مطالعہ کی روشنی میں اُن چھوٹے چھوٹے اجزا کا مائکرواسکوپ (microscope) سے جائزہ لیا جو لاش سے اچانک جدا ہو گئے تھے۔ اِس طرح یہ تجزیاتی عمل پروفیسر مگنوٹ (Professor Mignot) اور ڈاکٹر دُوریگون (Doctor Durigon) کے تعاون سے مکمل ہو سکا۔

لاش کا جائزہ لینے سے معلوم ہوا کہ ہڈیوں پر کئی چوٹ کے نشانات ہیں اور کھوپڑی میں کھوکھلا پن بھی ہے۔

1981 میں فرانس کے صدر فرانسسکو مترا (Francisco Mitra) کی درخواست پر فرعون کی ممی کو مصر سے فرانس منتقل کیا گیا۔ وہاں فرانس کے اعلیٰ سرجن کی ایک ٹیم نے ممی کا مطالعہ شروع کیا جس کے چیف انچارج ڈاکٹر موریس بوکائلے تھے۔ چند گھنٹوں کے بعد وہ اِس نتیجے پر پہنچے کہ لاش پر بچا کھچا نمک اِس بات کا بہت بڑا ثبوت تھا کہ فرعون ڈوب کر مرا تھا اور اُس کی لاش بہت جلد سمندر سے نکال لی گئی تھی اور بہت تیزی سے اُس لاش کی ممی کر دی گئی۔ فرانس میں ہونے والی اِس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ یہ اُسی فرعون کی لاش ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کرتے ہوئے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے نیل میں غرق ہو گیا تھا۔

بعد میں ڈاکٹر موریس بوکائلے نے ایک کتاب لکھی جس میں اُنھوں نے اپنی رپورٹ کے ایک حصہ کو مضمون کی شکل میں شامل کیا۔ اُس میں اُنھوں نے لکھا تھا:

''سوال اُٹھتا ہے کہ فرعون کی موت پانی میں ڈوبنے سے ہوئی تھی یا کسی چٹان سے ٹکرا کر چوٹ لگنے سے ہوئی تھی، یا بیک وقت دونوں چیزیں موت کا سبب بنیں؟ فرعون کی موت اور اُس کی لاش کے محفوظ ہونے کے تعلق سے آج ہمارے پاس ٹھوس ثبوت موجود ہے، مگر کیا یہ سب کچھ خدا کی مرضی سے ہوا ہے جو ایک لمبا عرصہ گزرنے کے باوجود باقی ہے؟''۔

ڈاکٹر موریس بُوکائلے، اپنے مضمون کو اِن جملوں پر ختم کرتے ہیں:

"His earthly remains were saved by the Will of God from destruction to become a sign to man,as it is written in the Qur'an.Those who seek among modern data for proof of the veracity of the Holy Scriptures will find a magnificent illustration of the verses of the Qur'an dealing with the Pharaoh's body by the visiting Royal Mummies Room of the Egyptian Museum,Cairo!".

(چاہے جو بھی ہو، زمین پر فرعون کی لاش کا خرابیوں سے محفوظ رہنا، خدا کی مرضی سے تھا تاکہ وہ لوگوں کے لئے ایک نشانی بن جائے، یہ بات قرآن کے اندر موجود ہے۔

جو لوگ ماڈرن مَواد کے درمیان، مقدس کتابوں کی سچائی کا ثبوت تلاش کرتے ہیں، وہ دیکھیں کہ مصر کے قاہرہ میوزیم میں شاہی ممیوں کے کمرے میں فرعون کے جسم کے ساتھ قرآن کیا سلوک کرتا ہے، اِس طرح وہ قرآن کی آیتوں کی شاندار تشریح پائیں گے۔)(8)

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ بائبل میں تو صرف فرعون اور اُس کے لشکر کے ڈوبنے کا تذکرہ ہے، لیکن قرآن کے اندر یہ پیشگوئی بھی موجود ہے کہ بعد کے زمانوں میں فرعون کی لاش محفوظ رہے گی۔ فرعون کی لاش 1898 میں دریافت ہوئی جب کہ اُس سے بارہ سو سال سے بھی زیادہ پہلے پیغمبرِ اسلام نے اُس کے بارے میں قرآن کی یہ آیت پڑھ کر سنائی تھی:

﴿ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ● ﴾(یونس:92)

(تو آج ہم تیرے بدن کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے ایک نشانی بن جائے اور بے شک زیادہ تر لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔)

The Bible The Quran and Science:171,172 (8)

کتابِ نصیحت

عام کتابوں کی طرح قرآن کا کوئی موضوع نہیں اور نہ یہ کسی فن کی کتاب ہے۔ اِس کا صرف ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے ''نصیحت''۔ اِس طرح قرآن نصیحت کی ایک کتاب ہے۔ قرآن نے خود اِس چیز کو بار بار واضح کیا ہے کہ وہ نصیحت سے بھری ہوئی اللہ کی کتاب اور اُس کا کلام ہے۔ جیسے قرآن کی یہ آیتیں:

﴿اور ہم نے اُسے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) شعر نہیں سکھایا اور نہ وہ اُس کے لئے مناسب ہے، وہ تو بس ایک نصیحت اور کھُلا ہوا قرآن ہے۔﴾ (الاعراف:2)

﴿اور وہ (قرآن) مردود شیطان کی بات نہیں تو تم سب کہاں بھٹک رہے ہو، وہ تو بس سارے جہان کے لئے نصیحت ہے۔﴾ (التکویر:25-27-28)

کہہ دو کہ میں تم سے اُس (قرآن کی تبلیغ) پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا اور نہ میں تکلّف کرنے والوں میں سے ہوں، وہ تو بس سارے جہان کے لئے نصیحت ہے۔ (الزمر:86-87)

نصیحت کیا ہے؟ ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ کسی کو کچھ سمجھانا۔ قرآن پوری انسانیت کا ہمدرد اور خیر خواہ ہے۔ قرآن کے نزول سے پہلے دنیا کا انسان ہر طرح کی پستی اور ذلت میں پڑا ہوا تھا۔ وہ قوم ذلیل اور پست سمجھی جاتی ہے جو ایک دوسرے کی دشمن ہو، جہاں جبر کا ماحول اور ظلم کی حکومت ہو اور لوگ مخالفت اور نفرت میں جیتے ہوں۔ قرآن کے نزول سے پہلے پوری عالمی برادری کا یہی حال تھا۔ قرآن دنیا والوں کا ہمدرد اور خیر خواہ بن کر آیا اور اُنھیں سمجھانا اور نصیحت کرنا شروع کیا۔ وہ لوگ جو وحشیوں اور درندوں کی زندگی جی رہے تھے، وہ ایسے اعلیٰ انسان بنے کہ پوری دنیا میں انسانیت کا بول بالا کر دیا۔ پتھروں کے آگے گرے پڑے انسانوں کو اُن کے خالق و مالک کے سامنے کھڑا کیا اور اُن کے دل اور دماغ کو قرآن کی نصیحتوں سے بھر دیا۔ اِس طرح قرآن کی نصیحت سے جو دنیا بنی، وہ انسانوں کی عزت اور بلندی کی دنیا تھی۔

نصیحت کا انداز

قرآن کے نصیحت کرنے کا انداز بہت ہی سادہ اور مؤثر ہے۔قرآن جن لوگوں کے درمیان نازل ہوا، وہ کوئی پڑھے لکھے لوگ نہیں تھے۔ دو چار لوگ جو لکھنا پڑھنا جانتے بھی تھے تو وہ بس کسی تحریر کو پڑھ لینے یا کسی بات کو لکھ لینے کی حد تک جانتے تھے۔ وہ 'علم' کی بنیاد پر لکھے پڑھے لوگ نہیں تھے۔ وہ علم سے پوری طرح محروم تھے۔ نیچر کے آگے جھکنے والوں اور پتھروں کی پوجا کرنے والوں کو قرآن نے 'توحید' کی دعوت پیش کی۔ قرآن کی یہ دعوت کوئی منطقی دعوت نہیں تھی، کیونکہ اَن پڑھ لوگوں کو منطقی انداز میں کچھ سمجھانا بے فائدہ اور مشکل ہے۔ قرآن نے صرف یہ کیا کہ نیچر کو خدا سمجھنے والوں کے سامنے نیچر کی حقیقت کو کھولنا شروع کیا، کیونکہ آدمی جب تک کسی چیز کی حقیقت کو نہیں جانتا، دھوکے میں رہتا ہے۔ حقیقت جان لینے کے بعد وہ ہر چیز کو اُس کے اصل روپ میں لیتا ہے۔ یہی کام قرآن نے کیا۔ قرآن نے نیچر کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے بتایا کہ کائنات کی ساری چیزیں تو اللہ کی مخلوق ہیں۔ وہ لوگ اتنا تو مانتے ہی تھے کہ کائنات کی ساری چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ مخلوق کو خدا سمجھا جائے اور اُنھیں خدا سمجھ کر اللہ کی عبادت میں شریک کیا جائے؟! ذرا قرآن کی اِس سادہ نصیحت کو ملاحظہ کریں:

اور اگر تم اُن سے پوچھو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے۔ کہو، تو جسے تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو اُس کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے، اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا وہ اُس کے نقصان کو دور کریں گے یا وہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا وہ اُس کی مہربانی کو روک پائیں گے؟ کہو اللہ مجھے کافی ہے، اُسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔ (الزمر:38)

قرآن کی اِس سادہ نصیحت سے لوگ متأثر ہوئے اور نیچر کو خدا سمجھنا چھوڑ دیا۔

قرآن کی توہین

کچھ لوگ اپنی تحریروں، تقریروں اور نجی مجلسوں میں دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو اور دوسرے فرقہ کے لوگوں کو سبّ وشتم کرتے ہیں اور اُنھیں گالیاں بکتے ہیں۔ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اِس طرح کسی کو سبّ وشتم کرنا (برا بھلا کہنا) اور گالیاں بکنا تو اخلاقی جرم ہے اور آپ اپنے اِس رویّے کی وجہ سے اخلاقی مجرم ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں کہ قرآن خود دوسرے مذہب والوں کو اور دوسرے فرقہ کے لوگوں کو سبّ وشتم کرتا ہے اور اُنھیں گالیاں بکتا ہے۔

آخر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہر آدمی اپنی دلیل میں قرآن کو پیش کرتا ہے اور اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے قرآن سے کوئی نہ کوئی آیت ڈھونڈ نکالتا ہے؟ اصل میں قرآن کا مطالعہ کرنے والے دوطرح کا ذہن لے کر قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ایک ذہن اُن لوگوں کا ہوتا ہے جو قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اور جو کچھ اُنھیں قرآن بتاتا ہے، اُسے پوری سچائی اور دیانت داری کے ساتھ لے لیتے ہیں۔ اگر پہلے سے اُن کے ذہن میں کوئی ایسی بات موجود ہوتی ہے جو قرآن کے مطالعہ کے دوران اُنھیں کھٹکتی ہے تو وہ اپنے ذہن سے اُس بات کو نکال کر پھینک دیتے ہیں اور قرآن کی بات کو لے لیتے ہیں۔ دوسرا ذہن اُن لوگوں کا ہوتا ہے جو ماحول کے اثر سے بنتا ہے۔ اُن کے ذہن میں پہلے ہی سے کوئی بات تہہ تک بیٹھی ہوتی ہے اور کوئی خیال گہرائی تک جما ہوتا ہے، پھر وہ اُسی ذہن کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں تاکہ قرآن کے اندر اُنھیں کوئی ایسی آیت مل جائے جس سے اُن کے خیال کی تائید ہوتی ہو اور اُن کی بات میں وزن پیدا ہوتا ہو۔ وہ قرآن سے کوئی نہ کوئی آیت ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ اگر کوئی آیت اُن کے خلاف ہوتی ہے اور اُن کے خیال سے ٹکراتی ہے تو وہ اُس کی تاویل کر لیتے ہیں۔ قرآن تو کتابِ ہدایت ہے، لیکن بہت سے لوگ اُسے پڑھ کر گمراہ ہو رہے ہیں جیسا کہ ماضی میں بہت سے فرقے گمراہ ہو چکے ہیں۔

جولوگ دوسروں کو گالی دینا اور سبّ وشتم کرنا درست قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں ایک سورت ہے، اُس میں اللہ تعالیٰ نے ابولہب کو اِس طرح گالی دی کہ ’’ابولہب کا سارا زور ٹوٹ گیا اور وہ برباد ہو کر رہ گیا‘‘۔ (المسد: 1)

اِسی طرح سورۃ البقرۃ کی ایک آیت ہے کہ ’’جب کافر ایمان والوں سے ملتے تو کہتے ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس تنہائی میں ہوتے تو کہتے ہم تو تمھارے ساتھ ہیں‘‘۔ (البقرۃ: 14) کہتے ہیں کہ اِس آیت میں کافروں کو شیطان کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اُنھیں گالیاں دی ہیں۔ معاذ اللہ!

یہ قرآن کا سطحی مطالعہ ہے۔ جو لوگ قرآن کے اُسلوب سے اور اُس کے مزاج سے واقف نہیں، وہ دین کی حقیقت سے بھی واقف نہیں ہو سکتے۔

اصل میں دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی قرآن نے جو مذمت کی ہے، وہ کوئی گالی نہیں۔ مذہب اور عقیدے کو بنیاد بنا کر وہ عام مشرکوں، منافقوں، کافروں، یہودیوں اور عیسائیوں کو گالیاں نہیں بکتا۔ پھر جب وہ کسی خاص گروہ یا فرد کی مذمّت کرتا ہے تو اُس وقت جبکہ وہ گروہ یا فرد اَخلاقی مجرم بن چکا ہوتا ہے۔ قرآن کا مذمّتی بیان گالی نہیں، بلکہ اظہارِ حقیقت ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مکہ کے تمام مشرکوں کے درمیان جب ابولہب اخلاقی مجرم بن گیا تو قرآن نے اُس کی حقیقت کو واضح کیا۔ ایسے ہی جس کافر نے بھی اخلاقی جرم کیا تو قرآن نے اُس کی مجرمانہ ذہنیت پر گرفت فرمائی۔

ابولہب کا اخلاقی جرم کیا تھا؟ ابولہب کا اخلاقی جرم یہ تھا کہ وہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی خوب جم کر مخالفت کرتا اور کھلے عام اُن کو گالیاں دیتا۔ لوگوں کی پوری کی پوری بھیڑ کو اُن کے خلاف بھڑکانے کی کوششیں کرتا۔ وہ جدھر جدھر جاتے، اُن کا پیچھا کرتا رہتا۔ لوگوں کو اُن کے قریب آنے سے روکتا اور اُن کی باتیں سننے سے منع کرتا۔ جب ابولہب اِس حد تک گر گیا، تب اللہ نے فیصلہ کر دیا کہ ابولہب اخلاقی مجرم ہے۔ اُس نے

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے خلاف سارا زورصرف کر دیا،لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا۔اُس کا زور ٹوٹ گیا اور اُس کی دولت اُسے کام نہ آسکی۔ ویسے تو سارے مشرکین آپ کے مخالف تھے،لیکن ایسا نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں سے ہر ایک کی الگ الگ مذمت بیان کی ہو، کیونکہ وہ سب کے سب اخلاقی مجرم نہیں تھے۔ابولہب کی طرح جو بھی اخلاقی مجرم بنا،قرآن نے اُس کی مجرمانہ تصویر پیش کردی۔لھٰذا اُن اخلاقی مجرموں کا حال دیکھ کر، عام بت پرستوں کو بُرا بھلا کہنے لگ جانا خود ایک اخلاقی جرم ہے۔

قرآن نے جن کافروں کو شیطان کہا ہے،اُن کا بھی یہی حال تھا۔وہ بھی اخلاقی مجرم تھے۔وہ کافروں کے لیڈر تھے۔اُن کا کام یہ تھا کہ وہ عوام کو شرک پر ڈٹے رہنے کی دعوت دیتے اور اسلام کے خلاف برائی پھیلانے کی تعلیم دیتے اور عوام اُن کے دباؤ میں رہتے۔ یہ اُن لیڈروں کا اخلاقی جرم تھا۔اُن کا یہ مشن ٹھیک ٹھیک شیطانوں کا مشن تھا۔ قرآن یہ کوئی گالی نہیں دے رہا ہے، بلکہ اُن اخلاقی مجرموں کی حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے تمام کافروں اور مشرکوں کو شیطان نہیں کہا، بلکہ جو شیطان کا مشن چلا رہے تھے،اُنہی کو شیطان کہا گیا۔اگر کوئی اِسے گالی سمجھ رہا ہے تو وہ اللہ پر الزام لگا رہا ہے اور اُس کے کلام کی توہین کر رہا ہے۔قرآن کوئی گالی کی کتاب نہیں ہے،وہ تو نصیحت کی کتاب ہے۔قرآن کا حال یہ ہے کہ وہ بت پرستوں کو گالیاں بکنے اور اُنھیں برا بھلا کہنے سے منع کرتا ہے اور بہت واضح لفظوں میں منع کرتا ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ﴾

(الأنعام:108)

(اور جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کی پوجا کرتے ہیں،اُنھیں بُرا بھلا مت کہو،(گالی مت دو)ورنہ وہ دشمنی میں بے سمجھے بوجھے اللہ کو برا بھلا کہیں گے۔)

جو لوگ برا بھلا کہنا اور گالی دینا جائز سمجھتے ہیں اور اُس کا حکم دیتے ہیں،اُن کے نزدیک اِس آیت کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟

پھر اِس میں کیا حکمت ہے کہ ہم دوسروں کو برا بھلا نہ کہیں؟

اِس میں جو حکمت ہے، اُسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس طرح واضح فرمایا ہے کہ:

''بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ پر لعنت بھیجے۔ لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! آدمی کیسے اپنے ماں باپ پر لعنت بھیجے گا؟ آپ نے فرمایا: آدمی کسی کے باپ کو گالی دے گا تو وہ بھی اس کے باپ کو اور اُس کی ماں کو گالی دے گا''۔(10)

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دین کی دعوت کا کام کریں نہ کہ دین کے نام پر گالیاں بکنے کا۔

---

(10) بخاری: کتاب الادب/ باب لا یَسُبُّ الرَّجُلُ وَالِدَیہِ، حدیث:5973)
مسلم: کتاب الایمان/ باب بَیَانِ الْکَبَائِرِ وَأَکْبَرِ ہَا، حدیث:146)
مسند الامام احمد:678/3، حدیث:7226)

بھولی بسری کتاب

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مشرکین مکہ کے سامنے قرآن پیش کیا اور بتایا کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوتا ہے تو اُنھوں نے اُس کا مذاق بنایا، اُسے جادو اور شاعری قرار دیا اور اُسے ایک لایعنی کلام سمجھ کر چھوڑ دیا، اُس سے منہ پھیر لیا اور اُس پر ایمان نہ لائے۔ اِس صورتِ حال کو دیکھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے شکایت کی:

﴿يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوراً ۝ ﴾(الفرقان:30)

(اے میرے رب! بلاشبہ میری قوم نے اِس قرآن کو چھوڑی ہوئی بے کار چیز سمجھ لیا ہے۔)

لغت میں ''مہجور'' اُس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کے لئے قابلِ توجہ نہ ہو اور وہ اُس کے لئے ایک بے کار اور بے فائدہ چیز ہو۔(11)

مشرکین مکہ کی طرف سے قرآن کا چھوڑنا یہ تھا کہ وہ اُسے سننا اور سمجھنا نہیں چاہتے تھے۔ اِس طرح وہ ایمان سے محروم رہے۔ اگر وہ قرآن کو سنتے اور سمجھتے تو اُنھیں ایمان حاصل ہوتا۔

موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا بھی حال کچھ ایسا ہی ہے۔ اُنھوں نے بھی قرآن کو چھوڑ رکھا ہے۔ الگ الگ پہلوؤں سے اُنھوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے۔

کچھ مسلمانوں نے قرآن کو ''تلاوت کی کتاب'' سمجھ کر اُسے چھوڑ دیا ہے۔ وہ صرف قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ وہ قرآن کی دعوت کو سننا اور سمجھنا نہیں چاہتے۔

کچھ مسلمانوں نے قرآن کو ''حفظ کی کتاب'' سمجھ کر اُسے چھوڑ دیا ہے۔ وہ قرآن کو تراویح کا ایک آئیٹم سمجھتے ہیں اور اُس کے مضمون کو پڑھنا اور سمجھنا نہیں چاہتے۔

کچھ مسلمانوں نے قرآن کو ''پرنٹنگ اور پبلشنگ'' کی کتاب سمجھ کر اُسے چھوڑ دیا ہے، وہ اُس میں غور و فکر کرنا نہیں چاہتے۔

---

(11) الصحاح:851، مختار الصحاح:288، المفردات:698

کچھ مسلمانوں نے قرآن کو ''کتابِ مقدّس'' سمجھ کر اُسے چھوڑ دیا ہے، وہ اُس سے نصیحت لینا نہیں چاہتے۔ کچھ مسلمانوں نے قرآن کو ''جھاڑ پھونک کی کتاب'' سمجھ کر اُسے چھوڑ دیا ہے، وہ اُس سے روحانی اور ربّانی غذا حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ کچھ مسلمانوں نے قرآن کو ''علم وفن کی کتاب'' سمجھ کر اُسے چھوڑ دیا ہے، وہ اُس پر عمل کرنا نہیں چاہتے۔

کچھ مسلمانوں نے قرآن کو پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور اُس کی جگہ شعروشاعری، ادب و ناول اور گانے بجانے کا ہنگامہ کھڑا کر رکھا ہے۔ کچھ مسلمانوں نے اپنی خانقاہوں سے قرآن کو بے دخل کر دیا ہے اور اُس کی جگہ قوّالی کی دھوم مچا دی ہے۔

کچھ مسلمانوں کو اپنے بزرگوں کی سیرت وسوانح سے زیادہ دلچسپی ہے، لیکن قرآن جن عظیم پیغمبروں کا ذکر کرتا ہے، اُنھیں چھوڑ دیا ہے۔ ماہناموں اور میگزینوں کا حال یہ ہے کہ وہ شخصیت نمبر تو نکالتے ہیں، لیکن قرآن نمبر نکالنا چھوڑ دیا ہے۔ علماء اور خطباء کا حال یہ ہے کہ وہ لایعنی، فضول اور غیر ضروری عنوانات پر تو گھنٹوں چیختے ہیں، لیکن قرآنی موضوعات کو اپنی تقریروں کا عنوان بنانا چھوڑ دیا ہے۔ مسجدوں میں روزہ اور نماز کے مسائل تو سکھائے جاتے ہیں، لیکن دلوں میں اللہ کی عظمت بٹھانے والے قرآن کی باتیں نہیں بتائی جاتیں۔ کچھ مسلمانوں نے قرآن کو ردّو مناظرہ کا میٹیریل بنا کر اُسے چھوڑ دیا ہے، وہ قرآن کو کلامِ ہدایت اور کتابِ دعوت بنا کر دنیا والوں کے سامنے پیش نہیں کرتے۔

غرضیکہ ہر جگہ مسلمانوں نے قرآن کے ساتھ سوتیلا سلوک کیا اور اُسے ''قرآنِ مہجور'' بنا کر رکھ دیا ہے۔ قرآن جو صبح کے سورج سے بھی زیادہ زندہ اور تروتازہ کتاب ہے، مسلمانوں نے اُسے بھولی بِسری کتاب بنا کر رکھ دیا ہے۔

مشرکینِ مکہ نے رسول کی مخالفت میں قرآن کو مہجور (بھولی بِسری کتاب) بنایا تھا اور مسلمانوں نے غفلت اور دنیا کے لالچ میں قرآن کو مہجور بنالیا۔ مشرکینِ مکہ کا رویّہ بھی رسول کو تکلیف پہنچانے والا تھا اور مسلمانوں کا سلوک بھی رسول کو تکلیف پہنچانے والا ہے۔

ڈرانے والی کتاب

دنیا میں رسول کیوں آتے ہیں؟ دنیا میں رسول اِس لئے آتے ہیں تا کہ وہ دنیا کے لوگوں کو بتائیں کہ جب قیامت کا زلزلہ آئے گا تو کائنات کا سارا نظام ختم ہو جائے گا۔ چاند، سورج، ستارے اور سیارے سب ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیں گے۔ زمین اور آسمان ایک دھماکے کے ساتھ ختم ہو جائیں گے۔ نہ زمین کا کوئی انسان زندہ رہے گا اور نہ بڑے بڑے دریا اور پہاڑ باقی رہیں گے۔ وہ قیامت کا دن ہوگا۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ زمین پر بسنے والے سارے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور اُن کا حساب لے گا کہ دنیا میں اُنھوں نے ایمان اور عمل صالح کے ساتھ زندگی گزاری تھی یا نہیں۔ اگر وہ ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ زندگی گزارنے والے انسان رہے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اُنھیں جنت میں داخل کرے گا، ورنہ وہ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کے ایندھن بن جائیں گے۔ اِسی بنیادی چیز سے باخبر کرنے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آئے اور لوگوں کو اللہ کا کلام پڑھ کر سنایا اور سمجھایا۔ اِسی لئے قرآن کے اندر قیامت کے زلزلے کا اور آخرت کے حساب وکتاب کا بہت زیادہ ذکر پایا جاتا ہے۔ قرآن پڑھنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ کتاب ڈرانے والی کتاب ہے۔ اُس میں قیامت کا اور جہنم کا تذکرہ پڑھنے سے دل کانپنے لگتا ہے اور بہت زیادہ ڈر محسوس ہونے لگتا ہے۔ قرآن خود کہتا ہے:

﴿وہ برکت والا ہے جس نے فرق پیدا کرنے والی کتاب کو اپنے بندے پر نازل کیا تا کہ وہ سارے جہان کے لئے ڈرانے والی کتاب ہو جائے۔﴾ (الفرقان:1)

﴿اور بے شک وہ تو سارے جہان کے رب کا اُتارا ہوا کلام ہے۔ اُسے روح الامین تیرے دل پر لے کر اُترا تا کہ تو ڈرانے والوں میں سے ہو جائے۔﴾ (192+194)

قیامت کے زلزلے کا ڈر اور آخرت کے حساب وکتاب کا ڈر، دنیا کی زندگی کے لئے بے حد ضروری ہے۔ جس انسان کا دل اِس ڈر سے خالی ہوگا، وہ دنیا میں برائی اور فتنہ و

فساد والی زندگی بسر کرے گا اور جس کے دل میں یہ ڈر بسا ہوگا، وہ نیکی، خیر خواہی اور اصلاح والی زندگی گزارے گا۔ قرآن کو بار بار پڑھنے سے ڈر والی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور قرآن کو چھوڑ دینے سے غفلت والا مزاج بنتا ہے۔ یوں تو پورے قرآن میں قیامت اور آخرت کا تذکرہ چھایا ہوا ہے، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تین مخصوص سورتوں کو پڑھنے کا حکم دیا ہے اور کہا ہے: ''جسے اِس بات سے خوشی ہو کہ وہ قیامت کو اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھے تو اُسے چاہئے کہ وہ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّت﴾ پڑھے۔ (12)

یہاں اُن تینوں سورتوں کے بعض حصوں کا آسان ترجمہ پیش کیا جاتا ہے، تاکہ عام آدمی بھی قیامت کے منظر کو اِس طرح محسوس کر سکے جیسے وہ اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہو۔

سورۃ التکویر

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَت

جب سورج کی روشنی لپیٹ دی جائے گی ▪ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے ▪ اور جب پہاڑ فضا میں چلائے جائیں گے ▪ اور جب سواری کی اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا ▪ اور جب جنگلی جانور جمع کئے جائیں گے ▪ اور جب سمندر سلگائے جائیں گے ▪ اور جب ایک ایک قسم کے لوگ اکٹھا کئے جائیں گے ▪ اور جب زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا ▪ کہ کس قصور میں تو ماری گئی ▪ اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں گے ▪ اور جب آسمان کھل جائے گا ▪ اور جب جہنم بھڑکائی جائے گی ▪ اور جب جنت قریب لائی جائے گی ▪ تو ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے ▪ (1+14)

---

(12) مسند الامام احمد: 94/3، حدیث: 4910)
ترمذی: کتاب تفسیر القرآن/، باب وَمِنْ سُورَةِ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، حدیث: 3333)
المستدرک: 40/5، حدیث: 207)

سورۃ الاِنفطار

إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ

جب آسمان پھٹ جائے گا ▪ اور جب ستارے بکھر جائیں گے ▪ اور جب سمندر بہہ پڑیں گے ▪ اور جب قبریں کھول دی جائیں گی ▪ ہر شخص جان لے گا کہ اُس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا ▪ اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے مہربان رب سے غافل کردیا ▪ جس نے تجھے پیدا کیا تو تیرے اعضا کو درست کیا، پھر تجھ کو سڈول بنایا ▪ جس صورت میں جیسا چاہا تجھے ترتیب دے دیا ▪ ہرگز نہیں، بلکہ تم لوگ انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہو ▪ اور بے شک تمھارے اوپر تو نگرانی کرنے والے فرشتے مقرر ہیں ▪ عزت دار، ریکارڈ بنانے والے ▪ وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو ▪ بے شک نیک لوگ تو عیش میں ہوں گے ▪ اور بے شک برے لوگ تو آگ میں ہوں گے ▪ وہ انصاف کے دن اُس میں جائیں گے ▪ اور وہ اُس سے جدا ہونے والے نہیں ▪ اور تمھیں کیا پتہ کہ انصاف کا دن کیا ہے ▪ پھر تمھیں کیا پتہ کہ انصاف کا دن کیا ہے ▪ اُس دن کوئی شخص کسی شخص کے لئے کچھ نہ کرسکے گا اور سارا معاملہ اُس دن اللہ ہی کے اختیار میں ہوگا ▪ (1+19)

سورۃ الاِنشقاق

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ

جب آسمان چِر جائے گا ▪ اور جب وہ اپنے رب کے لئے جھک جائے گا اور وہ اُسی لائق ہے ▪ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی ▪ اور وہ اپنے اندر کی چیزوں کو اُگل دے گی اور خالی ہوجائے گی ▪ اور وہ اپنے رب کے لئے جھک جائے گی اور وہ اُسی لائق ہے ▪ اے انسان! بے شک تو اپنے رب کی طرف خوب کھینچا ہوا جارہا ہے پھر تو اُس سے ملاقات کرے گا ▪ تو جس کا اعمال نامہ اُس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا ▪ تو عنقریب اُس کا آسان حساب ہوگا ▪ اور وہ اپنے لوگوں کے پاس خوشی خوشی لوٹے گا ▪ اور جس کا اعمال نامہ اُس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا ▪ تو عنقریب وہ موت کو پکارے گا ▪ اور

بھڑکتی ہوئی آگ میں جائے گا ■ اور بے شک وہ اپنے لوگوں میں خوش تھا ■ بے شک اُس نے خیال کیا کہ وہ ہرگز نہیں لوٹے گا ■ کیوں نہیں، بے شک اُس کا رب اُس کو دیکھنے والا تھا ■ (1+15)

رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا

أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ

تمّت